تحقیق و تنقید

اکرام اللہ ساجد

قسط (۲)

عورت، پردہ اور اسلامی تعلیمات

پروفیسر وارث میر، معرفت روزنامہ "جنگ" کے نام!

پروفیسر صاحب کے نزدیک، کتاب و سنّت کی حیثیت اور اسلام میں "اجتہاد و تعبیر کا تصور" ان کی مندرجہ ذیل عبارات سے واضح ہے:

۱۔ وضاحتوں والے مضمون میں آپ اپنے پہلے مضمون کے تبصرہ نگاروں سے شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان میں سے بعض نے دلیل سے بات کرنے کی بجائے تہدید و ترہیب اور سب و شتم سے بھی کام لیا ہے۔ اور چند ایک نے ایسی معروف روایات کی معلوم تشریحات کو دہرایا ہے، جن سے عورت کو ڈھانپ کر رکھنے، برقع پہننے اور گھونگھٹ نکالنے کے موقف کی حمایت کا پہلو تلاش کرنے میں مدد ملتی ہے۔ افسوس ان میں سے کسی معترض نے موجودہ سماجی حالات اور ہر آن تیزی سے پیدا ہوتے اور بدلتے حقائق کے دباؤ کا قطعاً کوئی ذکر نہیں کیا۔"

۲۔ "(پردے کے بارے میں قرآنی احکامات پر غور کرتے ہوئے) نزولِ آیات کے زمانے اور آج کے زمانے کے معاشرتی مقتضیات کو پیش نظر رکھنا پڑے گا (کہ) یہ احکام کیوں نازل ہوئے، ان کے اخلاق کی ظاہری صورت کیا بنتی تھی اور آج ان احکام کی غرض و غایت کو عملی طور پر کونسی شکل میں ڈھالا جا سکتا ہے؟"

۳۔ "اگر قرآن کی تفسیر میں، صرف روایات کی مدد سے تشکیلِ فکر کو محکم مان لیا جائے تو پھر "گھروں میں ٹک کر رہو" کے حکم کو صرف امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن تک محدود رکھنا پڑے گا اور اس موقف سے انحراف کرنے والوں کو جھٹلانا مشکل ہو جائے گا۔"

۴۔ "اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہنے اور گزشتہ زمانۂ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار سے احتراز کی ہدایت کرنے والی آیت ازواجِ مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اور جن اسباب کی بنا پر آیات ان کے حق میں اتریں، کسی زمانے میں وُہ اسباب اگر ختم ہو جائیں تو عام مسلمان عورتوں کو گھر سے باہر کی زندگی میں حصّہ لینے سے روکنا منشائے خداوندی کے خلاف ہو گا۔"

۵۔ "اُب ہمارے سوچنے کی بات یہ ہے کہ بیسویں صدی میں جدید زندگی کے مختلف شعبوں میں قرآن سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے "استثنائی صورت" کی حکمتِ عملی سے استفادہ کرنے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے یا نہیں؛ کیا اس سلسلے میں اجتہاد کے دروازے کھولے جا سکتے ہیں؟

.... عورت کے ستر کا بنیادی مقصد عورت کی پاکیزگی اور عفاف کی حفاظت ہے اور اس کا ایک طریقہ پردہ بھی ہے۔ یہ مسئلہ دنیاوی ہے اور اسی لیے پردے کی شکلیں ہر ملک میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ عورت کا ذہنی افق بھی پھیلتا جاتا ہے۔ صحیح اسلامی اور فلاحی معاشرے کا فرض ہے کہ وُہ عورت کے اس فکری سفر میں اس کا پورا پورا ساتھ دے!"

۶۔ "اوّلین بات تو یہ طے کرنے والی ہے کہ موجودہ زمانے کے کسی کھیل میں شرکت کرنے سے۔ قرآن، حدیث، صحابہ یا فقہاء میں سے کسی نے انہیں منع کیا ہے؛ اگر نہیں تو پھر اس مسئلے کو زبردستی قرآن و سنت سے منسلک کرنا بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ سراسر اختیاری ہے

اور ہم نے اسے قومی اور بین الاقوامی تمدنی و تہذیبی اقدار کے مطابق خود حل کرنا ہے!"

پروفیسر صاحب اپنی ان عبارات کو بغور پڑھیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ آنجہانی غلام احمد پرویز کی کسی تحریر کا مطالعہ بھی فرمائیں، پھر فکر و نظر اور عقائد کا جو تفاوت انہیں ہر دو تحریروں میں نظر آئے، اس سے ہمیں بھی مطلع فرمائیں، ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔

پروفیسر صاحب اگر یہی باتیں ایک بلندی کی حیثیت سے، افہام و تفہیم کی خاطر کرتے تو ہم انہیں معذور خیال کرتے، لیکن طرفہ یہ کہ، بریں عقل و دانش، انہوں نے تحکمانہ لب و لہجہ بھی اختیار فرمایا ہے۔ یعنی "ایک کریلا دوسرے نیم چڑھا!"۔ مثلاً ایسی ہی باتوں کو انہوں نے "قرآن و حدیث کی تعلیمات میں سے متحرک اور انقلاب انگیز نکات تلاش کرنے" سے تعبیر فرمایا ہے (حالانکہ قرآن حکیم کی تمام کی تمام تعلیمات انقلابی ہیں) اور اہل علم پر "دین کو بے حرکت، جامد اور قصے کہانیوں کا گورکھ دھندا بنانے" کا الزام لگایا اور ان کے اس طرزِ عمل کو "ان کی پیشہ ورانہ اور سیاسی ضروریات کے عین مطابق" قرار دیا ہے۔ نیز یہ سوال اٹھایا ہے کہ "کیا ہمارے مذہبی حلقے اس قابل ہیں کہ ان "اونچی" باتوں تک پہنچ سکیں؟" —— جبکہ خود پروفیسر موصوف بیچارے کتاب و سنت اور اجتہاد و تعبیر کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں، ورنہ مذکورہ بالا "اونچی" باتیں کرنا تو درکنار، انہیں یہ مضمون ہی لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی!

دین اسلام ایک مکمل دین، عالمگیر اور ہمہ گیر ضابطہ حیات ہے۔ یہ آج سے چودہ صدیاں قبل مکمل ہوا، اور کتاب و سنت میں مکمل، جوں کا توں رہتی دنیا تک موجود رہے گا —— جس پر مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی شاہد ہیں:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" (المائدۃ ۵:۳)

کہ "آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا، اپنی نعمت کا تم پر اتمام کر دیا اور میں نے دینِ اسلام کو تمہارے لیے پسند فرما لیا ہے!"

سورۂ توبہ میں فرمایا:

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ـ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ"

(التوبۃ: ۳۲)

"کفار یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ رب العزت کو اس سے یکسر انکار ہے۔ وہ اپنے نور کو پورا کرے گا، خواہ ان لوگوں کو یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ وہ اللہ کہ جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا وہ اس دین کو دیگر تمام ادیان پر غالب کر دے گا، خواہ مشرکین کو یہ بات کیسی ہی ناپسند ہو!"

——پورا قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر موقع ومحل کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے قول و عمل سے اس کی تعلیم و تبلیغ فرماتے رہے۔ تا آنکہ قرآن مجید مکمل ہو گیا، آپؐ دنیا سے تشریف لے گئے اور وحی الٰہی کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گیا۔

لیکن چونکہ آپؐ کے بعد آپؐ کی امت کو تا قیامت باقی رہنا تھا اور اس کی راہنمائی بھی مطلوب تھی، ایسی راہنمائی جو ہر دور میں اس کے جملہ مسائل حل کر سکے زمانہ خواہ ترقی کر کے سائنسی دور کہلانے لگے، یا انسان پس ماندہ ہو کر پتھر کے دور میں واپس چلا جائے، شریعتِ اسلامی کی ابدیت اور ہمہ گیری کا یہ تقاضا ہے کہ جب بھی ہمیں کوئی الجھن پیش آئے، شریعت سے ہماری راہنمائی ہو جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنی امت کو یہ

وصیت فرمائی:

"تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ!"

کہ "میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں، جن کو اگر تم نے مضبوطی سے تھامے رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے، ان میں سے پہلی چیز کتاب اللہ ہے اور دُوسری اس کے رسولؐ کی سنّت!"

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات کو ابدیت حاصل ہو، تا قیامت ہمیں کسی دوسری شریعت اور کسی دوسرے نبی کی ضرورت پیش نہ آئے۔ یہ شریعت غیر متبدّل بھی ہو، ورنہ نت نئی تبدیلیوں سے اپنی اصل شکل میں اس کا قائم رہنا محال تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین اور خاتم المرسلین ہونے کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ شریعتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہر دور میں ہماری راہنما ہو!

چنانچہ امام ابن تیمیہؒ کا ایک رسالہ:

"مَعَارِجُ الْوُصُولِ إِلَى مَعْرِفَةِ أَنَّ أُصُولَ الدِّينِ وَفُرُوعَهُ قَدْ بَيَّنَهَا الرَّسُولُ"

اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین کے اصول اور فروع سب کے سب کتاب و سنّت میں بیان فرما دیئے ہیں ——— ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو خود قرآنِ مجید، جس کے کتابِ ہدایٰ ہونے پر ہم سب کا ایمان ہے، ایک اچنبھا بن کر رہ جائے۔ مثلاً قرآنِ مجید کی یہ آیات کہ:

"إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ!" — اور — "وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ!"

کہ "اللہ کے نزدیک دینِ اسلام ہی (اصل دین) ہے" ——— "اور جس نے دینِ اسلام کے علاوہ کوئی اور دین ڈھونڈا، وُہ اس سے ہرگز (ہرگز) قبول نہیں کیا جائے گا!"

—— اب اگر دینِ اسلام صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دَور کے تقاضے پورے کر سکتا تھا، تو ہمارے دین کا کیا بنے گا؟ —— اور بعد میں دین کے نام پر جس چیز کو ہم اختیار کریں گے، کیا وُہ اللہ رب العزت کے ہاں مقبول ہوگی؟ یقیناً نہیں! —— تو پھر کیا یہ بات معاذ اللہ، ہم پر ظلم کے دائرے میں نہ آئے گی کہ کچھ لوگ تو ایسے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے درمیان موجود تھے اور آپؐ ان کی راہنمائی فرماتے تھے، لیکن ہمیں یونہی محروم چھوڑ دیا گیا؟ کیا یہ صورتِ حال کسی دوسرے نبی کی احتیاج ظاہر نہیں کرتی اور کیا اس صورت میں حضورؐ کے خاتم النبیین ہونے کا کوئی تصور باقی رہے گا؟ —— علاوہ ازیں اس صورت میں اس آیت کا مطلب کیا ہوگا؟

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آل عمران: ۱۶۴)

کہ "اللہ نے مومنوں پر، ان میں اور انہی میں سے، ایک رسولؐ مبعوث کر کے احسان فرمایا، جو ان پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے، ان کا تزکیۂ نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، جبکہ اس سے قبل وُہ صریحاً گمراہی میں مبتلا تھے!"

اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ دینِ اسلام صرف صحابہؓ کے دَور کے مسائل حل کر سکتا تھا، تو اس آیت کی روشنی میں ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ مومن بھی صرف یہی لوگ تھے اور اللہ کا یہ احسان صرف انہی لوگوں پر تھا، بالفاظِ دیگر کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" بھی صرف انہی لوگوں کا کلمہ تھا، ہمارے اس کلمہ پڑھنے کے کوئی معنی ہی نہیں، اور نہ ہمیں اس کی ضرورت! —— حالانکہ یہ غلط ہے! —— اور صحیح یہ ہے کہ شریعتِ اسلامی دائمی اور غیر متبدل ہے۔ اور آج کے اس سائنسی دَور کے نت نئے مسائل کا حل بھی ہمارے لیے کتاب و سنت میں ہی موجود ہے! —— البتہ ان میں سے بیشتر مسائل کا حکم تو کتاب و

سنّت میں صراحتاً موجود ہو گا۔ اور بعض مسائل ایسے بھی ہوں گے کہ جن کی صراحت اگرچہ کتاب وسنّت میں نہ ہو گی، تاہم کتاب وسنّت ہی سے منشاء الٰہی کی ایسی تلاش ممکن ہو گی، جو ان مسائل کا حل پیش کر سکے۔ مؤخر الذکر صورت میں "پیش آمدہ مسائل کا حل کتاب وسنّت سے تلاش کرنے" ہی کا نام اجتہاد ہے ——— یا ہم اسے "کتاب وسنّت کی تعلیمات کا پیش آمدہ مسائل پر اطلاق" کا نام دے سکتے ہیں۔ اور جو ظاہر ہے، کتاب وسنّت پر عبور رکھنے والوں اور ان میں اپنی زندگیاں کھپا دینے والوں کا کام ہے، نہ کہ پروفیسر صاحب ایسے محض قلمکار صحافیوں کا! ——— لہٰذا پروفیسر صاحب کا یہ فرمانا ان کی شدید جہالت پر مبنی ہے کہ:

"(اجتہاد کے سلسلہ میں) ہر شخص نے اس نہ ختم ہونے والی بحث میں پناہ لینے کی کوشش کی کہ اجتہاد کرنے کی صلاحیت کس میں ہے؟ ....
اس دوران متعدد ایسے مواقع پیدا ہوئے جب اجتہاد کی اشد ضرورت محسوس کی گئی، لیکن کسی بھی سطح پر کسی وزیر، مشیر اور با اختیار شخص میں اجتہاد کی جرأت اور حوصلہ پیدا نہ ہوا!"

مزید پروفیسر صاحب یہ یاد رکھیں کہ کتاب وسنّت کے صریح احکام پر ایمان لانا فرض ہے ——— یہی معنیٰ ہے " اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ "کا، اور یہی مفہوم ہے " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ " کا! ——— جبکہ اس سے انحراف کفر ہے اور اس کی سزا جہنم:

" وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا!" (النساء: ۱۱۵)

کہ "جس نے ہدایت کی تبیین کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر کسی دیگر راہ پر چلا، ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے، جدھر اس نے منہ اٹھا لیا ہے (پھر یہی نہیں بلکہ) ہم اسے جلنے کے لیے جہنم میں بھی داخل کریں گے جو بہت

ہی بڑی جگہ ہے!"

—— البتہ جہاں تک اجتہاد کا تعلق ہے، تو اولاً یہ کتاب وسنّت کے صریح احکام میں نہیں ہو گا، ثانیاً اس کی حیثیت کتاب وسنّت کے فہم کی ہے، خود کتاب وسنّت کی نہیں! —— یہی وجہ ہے کہ شریعت صرف کتاب و سنّت ہے، اس کا فہم وفقہ شریعت نہیں، ورنہ متعدد فقہوں کی بناء پر متعدد شریعتوں کا ہونا لازم آئے گا، جبکہ شریعت صرف ایک ہے! —— اسی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہم کسی بھی ایک، یا تمام فقہوں کے پابند اور مکلّف نہیں. فقہاء کی آراء دین کے فہم میں ہماری معاون ضرور ہوتی ہیں۔ اور ہم ان سے استفادہ بھی کرتے ہیں، لیکن یہ ہمارے لیے حجت نہیں! —— ہمارے لیے حجت صرف اور صرف کتاب وسنّت ہے اور اسی کے ہم پابند اور مکلّف!

ہماری ان گزارشات کو پروفیسر صاحب بغور پڑھیں، ساتھ ہی ساتھ اپنے پورے مضمون کو ملاحظہ فرمائیں، اور پھر ہمیں بتائیں کہ ان کے اس "معرکۃ الآرا" مضمون کی کوئی حیثیت یا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ —— پروفیسر صاحب اگر واقعی دانشور ہیں تو ہمیں امید ہے کہ ان کا جواب یقیناً نفی میں ہو گا، ورنہ عقل و دانش کو بجا طور پر ان سے یہ شکوہ ہو گا کہ پروفیسر صاحب نے نہ جانے ان کا ساتھ کیوں چھوڑ دیا ہے؟ —— اس صورت میں ہم ان کی توجہ ان کے مندرجہ ذیل نکات کی طرف مبذول کروائیں گے:

۱۔ آپ نے لکھا ہے کہ:

"ان (معترضین) میں سے چند ایک نے ایسی معروف روایات کی معلوم تشریحات کو دوہرایا ہے، جن سے عورت کو ڈھانپ کر رکھنے، برقع پہننے اور گھونگھٹ نکالنے کے موقف کی حمایت کا پہلو تلاش کرنے میں مدد ملتی ہے!"

—— چنانچہ اگر یہ بات درست ہے، تو پروفیسر صاحب کو واقعی "عورت کو ڈھانپ کر رکھنے، برقع پہننے اور گھونگھٹ نکالنے کے موقف" کا

قائل ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ معروف روایات (فرامینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہی تقاضا ہے ـــــــ فرمایا اللہ رب العزت نے:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ"

(الاحزاب: ۳۶)

کہ "کسی بھی مومن مرد اور مومن عورت کے یہ لائق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کسی امر کا فیصلہ فرما دیں، تو پھر بھی یہ لوگ اپنا کوئی اختیار اس سلسلہ میں باقی رکھیں ـــــ چنانچہ جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریحاً گمراہی میں مبتلا ہو گیا!"

ـــــ اور پروفیسر صاحب کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ مذکورہ بالا آیت اسی سورہ کی ہے جس میں پردہ کے تفصیلی احکام مذکور ہیں!

مزید آپ نے لکھا ہے کہ:

"افسوس ان میں سے کسی معترض نے موجودہ سماجی حالات اور ہر آن تیزی سے پیدا ہوتے اور بدلتے حقائق کے دباؤ کا قطعاً کوئی ذکر نہیں کیا!"

ـــــ حالانکہ یہ حالات پیدا ہی اس لیے ہوئے ہیں کہ آپ نے کتاب و سنت کی تعلیمات کو چھوڑ رکھا ہے۔ اگر ان تعلیمات کو پیشِ نظر رکھا جاتا تو یہ حالات پیدا ہی نہ ہوتے۔ اور اگر پیدا ہو گئے ہیں، تو بھی ان کا علاج کتاب و سنت کی تعلیمات ہی میں مضمر ہے۔ لیکن اس کی بجائے آپ نے، پہلے سے ان تعلیمات سے برگشتہ عورتوں کو اپنی لن ترانیوں سے مزید شہ دی ہے اور تہذیبِ اسلامی کا، اسلام ہی کے نام پر حلیہ بگاڑنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔ بہتر ہوتا کہ آپ اسلام کو ان کرمفرمائیوں سے معاف ہی رکھتے، لیکن اگر آپ نے یہ سب کچھ کر ہی ڈالا ہے اور اب بھی اس پر مصر رہے تو اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ آپ کے "سماجی حالات اور ہر آن تیزی سے پیدا ہوتے اور بدلتے حقائق کا دباؤ"

بڑھتا ہی جائے گا، کم ہرگز نہ ہوگا۔ اور پھر ایک وقت وُہ بھی آئے گا کہ آپ اپنے تئیں مغرب کے اس غلیظ معاشرہ کا ایک فرد تصوّر کرنے پر مجبور ہوں گے، جس سے آپ نے "سوبار الحذر" کی مصنوعی صدائیں بلند کی ہیں، اور جس پر خود آج کا مغرب بھی چلّا اٹھا ہے! ——— چنانچہ آج آپ نے شلوار قمیص پہن کر پاکستانی عورت کو کھیلوں میں شریک ہونے کی اجازت دی ہے، کل آپ کا "بدلتے حقائق کا یہ دباؤ" انہیں چست پتلونیں پہن کر کھیلنے کی اجازت دینے پر بھی آپ کو مجبور کر دے گا۔ لیکن جس کا عبرتناک پہلو یہ ہوگا کہ آپ ایسے دانشور اس وقت بھی کتاب وسنّت سے اس کا جواز تلاش کر رہے ہوں گے اور علمائے دین کا یہ کہہ کر مذاق اڑا رہے ہوں گے کہ "ان میں سے کسی نے موجودہ سماجی حالات اور ہر آن تیزی سے پیدا ہوتے اور بدلتے حقائق کے دباؤ کا قطعاً کوئی ذکر نہیں کیا!"

۲۔ آپ کی مذکورہ بالا عبارت ۲ (نمبر ہم نے لگایا ہے) کا جواب یہ ہے کہ معاشرتی تقاضے خواہ کچھ بھی ہوں، کتاب وسنّت جس طرح آج سے چودہ سو سال قبل ہمارے راہنما تھے، آج بھی ہمارے راہنما ہیں اور غیر متبدّل بھی، لہٰذا آپ کو ان کے احکام کی غرض وغایت کو کسی نئی شکل میں ڈھالنے کی ضرورت نہیں۔ یہ من وعن بھی آپ کے مسائل حل کر سکتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ آپ ان کے احکام کی غرض وغایت کو اُس ذاتِ باری تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے، جس نے یہ دین ہمارے لیے پسند فرمایا ہے، وہی کچھ کریں جس کے آپ مکلّف ہیں اور جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ یعنی کتاب وسنّت کی اتباع کریں اور ان کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا چھوڑ دیں، آپ کی مہربانی ہوگی!

۳، ۴: آپ کی عبارت نمبر ۳ تو ایک "شاہکار" ہے ——— تضادات کا پلندہ اور صحیح معنوں میں الفاظ کا گورکھ دھندا ——— بہتر ہوگا، عبارت نمبر ۴ کو بھی ساتھ ملا لیں۔ اور پھر دیکھیں کہ آپ نے پہلی غلطی اس بیان کی ہے کہ آپ نے "قرآن کی تفسیر میں صرف روایات کی مدد سے تشکیلِ فکر کو محکم مان لینے" پر اظہار

تعجب فرمایا ہے، حالانکہ قرآن مجید کی صرف وہی تفسیر معتبر ہے جسے سنّت کی تائید حاصل ہو۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ قَالَ بِرَأْيِهٖ فِي الْقُرْاٰنِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ"

کہ "جس نے قرآنِ مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کی، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے!"

دوسری غلطی آپ نے یہ کی ہے کہ "قرآن کی تفسیر میں روایات کی مدد سے تشکیلِ فکر کو محکم ماننا"، تو الگ رہا، خود قرآنِ مجید کی رُو سے بھی "گھروں میں ٹک کر رہو" کا حکم امّہات رضی المؤمنین تک محدود نہیں ہے۔ جبکہ آپ کو اندریں صورت، اسے امّہات رضی المؤمنین تک محدود رکھنے کی مجبوری لاحق ہو رہی ہے۔ اس لیے کہ یہ حکم امّہات رضی المؤمنین کے علاوہ دوسری عورتوں کو بھی شامل ہے۔ اور آیت میں عموم کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ قرآنِ مجید کا یہ مقام ملاحظہ ہو، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ - الاٰية!" (الاحزاب ۳۲، ۳۳)

کہ "اے پیغمبرؐ کی بیویو، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو۔ پس (کسی اجنبی شخص سے) نرم لہجہ میں بات نہ کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید (نہ) پیدا کرے اور دستور کے مطابق بات کیا کرو۔ علاوہ ازیں اپنے گھروں میں ٹک کر رہو، اور دورِ جاہلیت کے خاصہ یعنی گھروں سے بن سنور کر نکلنے سے پرہیز کرو۔ نماز پڑھتی رہو، زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتی رہو!"

اس آیت میں خطاب بلاشبہ نساء النبیؐ (امہات المومنینؓ) سے ہے۔

تاہم سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے امہات المومنینؓ کو، جو ایمان و تقوٰی کے لحاظ سے سب سے بہتر ہیں، کسی اجنبی سے نرم لہجے میں بات نہ کرنے، گھروں میں ٹک کر رہنے، زیبائش و نمائش اور اپنی زینت اور اعضائے محاسن (مثلاً سر، چہرہ، گردن، سینہ، بازو اور پنڈلی وغیرہ) ان تمام اعضاء کو ظاہر کرنے نیز نماز پڑھنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، تو عام عورتیں اس حکم میں بالاولیٰ داخل ہیں۔ ورنہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ معاذ اللہ تبرج جاہلیہ صرف ازواج النبیؐ کا شعار تھا، عام عورتوں میں جاہلیت کا یہ مرض نہیں پایا جاتا تھا —— یا اس کا مطلب یہ ہو گا کہ عام عورتوں کو تو بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنا چاہیے اور غیر مردوں سے خوب لگاوٹ کی باتیں کرنی چاہئیں۔ تاہم ازواج النبیؐ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ علاوہ ازیں نماز پڑھنے، زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھی صرف ازواج مطہراتؓ کے لیے خاص ہے۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت بھی صرف وہی کریں، کسی دوسری عورت کو اس کی اجازت نہیں! —— یہ کیسے ممکن ہے؟ —— رہی یہ بات کہ یہ خطاب نساء النبیؐ سے کیوں ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ازواج مطہراتؓ پر بھی یہ پابندی لگا دی جائے گی تو عام عورتیں یہ سمجھ لیں گی کہ اس سلسلہ میں وہ کسی بھی رُو رعایت کی قطعاً مستحق نہیں ہیں —— امہات المومنینؓ کی پاکیزہ زندگی ان کے لیے ایک مثالی نمونہ ہو گی تو دوسری مسلمان خواتین فوراً اس کا اثر قبول کریں گی۔ اور اس طرح ایک قابلِ رشک معاشرہ بآسانی وجود میں آجائے گا۔

تیسری غلطی آپ کی عبارت کی غلطی ہے۔ چنانچہ اگر آپ اپنی عبارت (۳ء) میں سے خط کشیدہ الفاظ "سے انحراف کرنے والوں" کو قلم زد کر دیں۔ یا ان الفاظ کو "کے قائلین" کے الفاظ سے بدل دیں تو عبارت درست ہو جائے گی۔ ورنہ یہ "کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی" والی بات ہے —— تعجب ہے آپ اس قدر بدحواسیوں کے باوجود بھی اجتہاد کرنے نکلے ہیں۔

چنانچہ چوتھی غلطی آپ نے یہ کی ہے کہ:

"اگر روایات کی مدد سے تشکیلِ فکر کو محکم مان لیا جائے تو پھر "گھروں میں ٹک کر رہو" کے حکم کو صرف امہات المؤمنین تک محدود رکھنا پڑے گا۔"

آپ کے یہ الفاظ اس بات کے غماز ہیں کہ آپ اس حکم کو امہات المؤمنین تک محدود رکھنے کے حق میں نہیں۔ لیکن اس کے برعکس عبارت مذکورہ میں آپ نے یہ لکھ کر کہ "یہ آیت ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی تھی" اسے انہی تک محدود بھی کر دیا ہے۔

پھر پانچویں غلطی آپ نے یہ کی ہے کہ اس حکم کو ازواج مطہراتؓ کے لیے خاص کر دینے کے باوجود، آپ نے اس سے عام مسلمان عورتوں کے حق میں قیاس کیا ہے کہ:

"جن اسباب کی بناء پر آیات ان (ازواج مطہرات) کے حق میں اتریں، کسی زمانے میں وہ اسباب اگر ختم ہو جائیں تو عام مسلمان عورتوں کو گھر سے باہر کی زندگی میں حصہ لینے سے روکنا منشائے خداوندی کے خلاف ہے!"

اور آپ کی چھٹی غلطی یہ ہے کہ آج جبکہ یہ اسباب نہ صرف ختم نہیں ہوئے، بلکہ اپنی انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ اور حالات کا شدید تقاضا یہ ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہیں، تو آپ عورتوں کو گھروں سے نکلنے سے منع کرنے کی بجائے، ان کے باہر نکلنے کی وکالت کیوں فرما رہے ہیں؟ — چنانچہ آپ ہی کے روزنامہ "جنگ" نے اپنی ۱۲ ستمبر کی اشاعت میں ایک خبر کی سرخی یوں جمائی ہے کہ:

"پنجاب میں سات برسوں میں پندرہ ہزار افراد قتل ہوئے!"

پھر ضمنی سرخی میں لکھا ہے کہ:

"قتل کی سب سے زیادہ وارداتیں ناجائز تعلقات کے نتیجے میں ہوئیں"

جبکہ تفصیلی خبر میں اخبار مذکور نے لکھا ہے کہ:

"قتل کی سب سے زیادہ وارداتیں جنسی تعلقات کے نتیجے میں ہوئی ہیں۔ جنسی تعلقات پر چار ہزار افراد قتل ہوئے"

اب آپ ہی یہ بھی بتائیے کہ عورتوں کے گھروں سے باہر نکل کر مردوں کے دوش بدوش کام نہ کرنے کی بناء پر پاکستان میں کتنے افراد بھوکوں مرے ہیں؟ — ذرا اس کا بھی سروے کر ڈالیے! —— علاوہ ازیں ہمیں یہ بھی بتائیے کہ آج وُہ کونسی آزادی ہے جو پاکستانی عورتوں کو حاصل نہیں، اور جس کی بناء پر آپ انھیں گھروں سے باہر لے آنے کے لیے دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کئے ہوئے ہیں؟

نصف پاکستان کے صرف ایک صوبہ پنجاب میں، سات برسوں کے دوران صرف ناجائز جنسی تعلقات کے نتیجے میں ۴۰۰۰ (چار ہزار) افراد کا قتل ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ ظاہر ہے اس کا تدارک صرف حدود اللہ کی عملداری کے ذریعے ممکن ہے —— لیکن کیا اس بات پر آپ کو تعجب نہ ہو گا کہ جس دین میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہو، غیر شادی شدہ زانی کی سزا سو کوڑے ہو، حتیٰ کہ زنا کی محض جھوٹی تہمت لگانے والے کی سزا اسّی درّے ہو، وہی دین اپنے معاشرہ میں عورتوں اور مردوں کے آزادانہ اختلاط پر قطعًا کوئی پابندی نہ لگائے؟ چنانچہ مسلمان عورتیں کونسلر بنیں، پارلیمنٹ کی رکن منتخب ہوں، بیرونِ خانہ سوشل سرگرمیوں میں دوڑتی پھریں، سرکاری دفتروں میں بیٹھ کر غیر مردوں سے میٹھی میٹھی باتیں کریں اور فارغ وقت میں ورکروں کے ساتھ گپ شپ لڑائیں؛ کالجوں میں بے حیا لباس پہن کر نوجوان لونڈوں کے درمیان گھومیں پھریں —— "بوائے" (BOY) گرل فرینڈیں اور "گرلیں" بوائے فرینڈ تلاش کریں —— پھر سب ہی رشتے میں ایک دوسرے کے "کزن" ہوں —— نوجوان لڑکیاں مردانہ ہسپتالوں میں زبردستی کی مسکراہٹیں چہروں پر سجائے نرسنگ کی خدمات انجام دیں اور "ایئر ہوسٹس" بن کر "مسافر نوازی" کے لیے استعمال ہوں — پھر جب یہ آوارگیاں ناجائز جنسی تعلقات کی بناء پر ہزاروں افراد کے قتل پر منتج ہوں تو یہی دین اٹھ کر اپنے ماننے والوں کو عبرتناک سزائیں دینا شروع کر دے۔ کیا کسی معاشرہ پر اس سے بڑھ کر بھی ظلم ممکن ہے؟ اور کیا یہی وُہ دینِ فطرت ہو گا جسے آپ غیر مسلموں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں؟ —— ذرا تاریخ پر نگاہ دوڑائیے اور بتائیے کہ دورِ نبوی میں ناجائز جنسی تعلقات کے کتنے کیس

عدالتِ نبویؐ میں پیش ہوئے؟ ـــــ صرف دو چار! ـــــ چنانچہ اگر آپ کا مذکورہ "اسلام" ہی اس وقت بھی نافذ ہوتا، تو اعداد و شمار کیا اسی قدر فریادی ہوتے؟ اور اگر صورتِ حال یہی ہے تو آپ نے اپنے اس "اسلام" کو کتاب و سنت سے کیسے پیش کرنا شروع کر دیا ہے؟

شرم تم کو مگر نہیں آتی!

ظاہر ہے، دینِ اسلام کو دینِ فطرت کہلانے کے لیے ان کڑی اور عبرتناک سزاؤں سے قبل ایسے حالات بھی پیدا کرنا ہوں گے، جن کی بناء پر کم از کم، بلکہ نہ ہونے کے برابر مجرم ٹکٹکیوں پر صرف آخری چارۂ کار کے طور پر پہنچ سکیں۔ ورنہ یہ دین، دینِ فطرت کہلانے کا حق دار نہ ہو گا اور نہ ہی اس کے احکام ان ارشاداتِ ربانی کے مصداق کہ:

"اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰى عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَلَمۡ يَجۡعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ قَيِّمًا لِّيُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِيۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡهُ وَيُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ مَّاكِثِيۡنَ فِيۡهِ اَبَدًا" (الکہف: ۱تا۳)

کہ "ہر قسم کی حمد و ثنا اللہ ہی کو لائق ہے، جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس میں کسی طرح کی کجی اور پیچیدگی نہ رکھی بلکہ یہ بالکل سیدھی ہے۔ تاکہ (لوگوں کو) اس عذاب سخت سے، جو اللہ کی طرف سے (آنے والا) ہے، ڈرائے۔ اور مومنوں کو، جو نیک اعمال بجالاتے ہیں، خوشخبری سنائے کہ ان کے لیے (ان کے کاموں کا) اچھا بدلہ ہے (یعنی جنت) جس میں وہ ابدالآباد تک رہیں گے!"

ـــــ اپنے ایمان سے کہیے پروفیسر صاحب، آپ کے اُس دین میں، جو آپ نے روزنامہ "جنگ" کی سات قسطوں میں مسلسل پیش فرمایا ہے، مذکورہ فکرِ آخرت کا کوئی شائبہ تک موجود ہے؟ ـــــ اور اگر نہیں تو یاد رکھیے کہ:

۵۔ اس بیسویں صدی میں (بھی) جدید زندگی کے مختلف شعبوں میں قرآن سے راہنمائی حاصل کرنے "کا یہ مطلب ہے کہ کتاب و سنت میں پردہ اور ستر و

حجاب کے جو صریح احکام وارد ہوئے ہیں، ان پر بلا چون وچرا عمل کیجئے اور "استثنائی صورتوں کی حکمتِ عملیوں سے استفادہ کرنے" کے بہانے نصوصِ قرآنی پر ہاتھ صاف نہ کیجئے! ـــــ یہ اجتہاد نہیں ہے اور نہ ہی کتاب وسنت کے صریح احکام میں اس کی اجازت ہے! ـــــ ویسے بھی آپ کا اجتہاد کتاب و سنت سے ٹکرانے "بلکہ ان کا خاکہ اڑانے کا دوسرا نام ہے۔ ملاحظہ ہو، آپ نے لکھا ہے:

"یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مغربی ممالک میں آباد مسلمان بچیوں کو برقع اوڑھنے کی تلقین کے کیا مثبت نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اور یہ رویہ بیرونی ممالک میں تبلیغِ اسلام کی کوششوں کو کس طور پر متاثر کر سکتا ہے؟"

جبکہ قرآنِ مجید فرماتا ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا" (الاحزاب: ۵۹)

"اے پیغمبرؐ، اپنی ازواجِ مطہراتؓ، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے (مونہوں) پر چادر لٹکا (کر گھونگھٹ نکال) لیا کریں۔ یہ امر ان کے لیے موجبِ شناخت (وامتیاز) ہوگا تو کوئی ان کو ایذا نہ دے گا۔ اور خدا بخشنے والا، مہربان ہے!"

(ترجمہ مولانا فتح محمد جالندھری)

مفتیٔ اعظم سعودی عرب سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"جلابیب" جلباب کی جمع ہے۔ جس کا معنیٰ وہ بڑی چادر ہے جو پردہ کے لیے عورت اپنے اوپر اوڑھتی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کی عورتوں کو چادر اوڑھ کر اپنے محاسن ڈھانپنے

کا حکم دیا ہے۔ تاکہ ان کی عفت و پاکدامنی کو پہچانا جائے اور کوئی ذلیل ناجائز طمع نہ رکھے۔ یعنی بال اور چہرہ وغیرہ ڈھانپ کر رکھیں، تاکہ خود بھی فتنہ سے محفوظ رہیں اور دوسرے بھی اس قسم کے فساد سے محفوظ رہیں۔" (اردو ترجمہ "مسائل الحجاب والسفور از سماحۃ الشیخ)

——عورت کا چہرہ، پردے میں داخل ہے یا نہیں، اس بحث کو آگے چل کر ہم مستقل حیثیت دیں گے۔ ان شاء اللہ! کیونکہ یہی ایک موقف پروفیسر صاحب نے اپنے دوسرے مضمون میں کھل کر اپنایا ہے، اور اسی سے انہوں نے اسلامی اخلاق و اقدار سے تمام تر بغاوتوں کی راہیں ہموار کرنے کی سعیِ ناتمام و نامشکور فرمائی ہے!—— فی الحال ہم ان سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ قرآنِ مجید نے "جلباب" اوڑھنے کا حکم دیا ہے یا نہیں؟—— اس کو آپ اس بڑی چادر کا نام دے لیجئے جو عورت پردہ کی خاطر اپنے لباس کے اُوپر اوڑھ لیتی ہے، یا اسے برقع کہہ لیجئے، پھر برقعے سفید بھی ہوتے ہیں، کالے بھی، خاکی بھی! اس کی کسی خاص شکل پر بھی ہمیں اصرار نہیں ہے!—— لیکن جب قرآنِ مجید نے واضح حکم اس کے اوڑھنے کا دیا ہے، تو پھر یہ مسئلہ پروفیسر صاحب کے نزدیک دنیاوی کیسے ہو گیا؟ کیا صرف اس لیے کہ "برقعے کی شکلیں ہر ملک میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں؟"—— پروفیسر صاحب کو شاید معلوم نہیں کہ کوئی مسئلہ دینی ہے یا دنیوی، خود اس بات کا علم بھی ہمیں کتاب و سنّت ہی سے ہو گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عربی لباس پہنا۔ جس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ قومی اور علاقائی لباس شریعت نہیں ہوتے۔ البتہ اس سلسلہ میں بھی آپؐ نے کچھ اصول بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً:

"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ!"

کہ "جس نے کسی (غیر) قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کی، وُہ انہی میں سے ہو گا۔"

جس کا مطلب یہ ہے کہ لباس بہرحال شریفانہ اور اسلامی اقدار کا حامل ہونا چاہیے، اور جو ستر و حجاب کے تقاضوں پر پورا اتر سکے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ

خود برقعے ہی فحاشی و عریانی کے چلتے پھرتے اشتہار بن جائیں، مثلاً ٹیڈی برقعے۔ اسی بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رُبَّ مِنْ کَاسِیَةٍ فِی الدُّنْیَا عَارِیَةٌ فِی الْاٰخِرَةِ۔"

کہ "بہت سی دنیا میں لباس پہننے والی عورتیں قیامت کے دن ننگی ہوں گی!"

اب دیکھیے، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں اولاً تو یہ معلوم ہوا کہ شریعت نے کسی مخصوص لباس کی قید نہیں لگائی۔ البتہ (ثانیاً) اس سلسلہ میں یہ پابندی ضرور لگائی کہ اس میں کفار کی مشابہت نہ پائی جائے۔ اور ثالثاً یہ کہ عریاں اور بے حیا قسم کے لباس نہ پہنے جائیں! ——— یہی وہ بات ہے، جس کو ہم قبل ازیں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کر آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین کے اصول اور فروع سب کے سب کتاب وسنت میں بیان فرما دیے ہیں۔ اور اسی بناء پر ہم نے یہ بات لکھی ہے کہ برقعے کی کسی خاص شکل پر ہمیں اصرار نہیں ہے۔ چنانچہ ایک تو یہ مسئلہ دنیاوی نہ رہا کہ شریعت سے بہرحال اس کا ایک گونہ تعلق ہے، جس کی بناء پر ہمیں یہ نتائج حاصل ہوئے۔ اور دوسرے یہ کہ ہمارے یہ چند الفاظ پروفیسر صاحب کے ان طول طویل، تاہم انتہائی فضول مباحث کا کافی ووافی جواب ہیں، جن کے مبلّغانہ عنوان درج ذیل ہیں:

(ا) پردہ ہندوستان سے آیا!"

(ب) نقاب اور برقعے کا استعمال کبھی بھی اسلامی شعائر میں سے نہیں تھا (غالباً یہاں پروفیسر صاحب کی مراد برقع اور نقاب کی مخصوص شکل سے ہے۔ ورنہ یہ دعویٰ ہی غلط ہے۔ جیسا کہ "یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ" سے واضح ہے) بلکہ یہ اسلام سے پہلے عادت کے طور پر لوگوں میں رائج تھا۔"

(ج) "پردے کا جاگیردارانہ تصوّر!"

(د) "برِّصغیر میں مروّج برقعہ"

(ہ) "جاگیردارانہ نظام میں پروان چڑھنے والا طبقاتی تصوّرِ حجاب" — وغیرہ، وغیرہ!!

ان تمام مباحث کا تعلق علاقائی و زمانی لحاظ سے برقع کی مختلف شکلوں سے ہے، اور ان شکلوں پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں، سوائے اس کے کہ یہ احکامِ ستر و حجاب کے تقاضے پورے کر سکیں۔ کیونکہ اسلام میں ستر و حجاب کے حدود تو متعین ہیں۔ البتہ وضع لباس کی کوئی شکل متعین نہیں! —— لہٰذا اصل مسئلہ یہ ہے کہ برقعے کی شکلیں مختلف ادوار و ممالک میں تبدیل ہونے سے برقعہ سر سے سے غائب کیونکر ہو گیا؟ اور پروفیسر صاحب یہ کہنے والے کون ہوتے ہیں کہ برقعے اوڑھنے کا یہ رویہ بیرونی ممالک میں تبلیغِ اسلام کی کوششوں کو متاثر کر سکتا ہے؟ —— کیا آپ کے نزدیک تبلیغ اسلام کی کوششیں جبھی مؤثر ثابت ہو سکتی ہیں، جب آپ مغرب کا مکمل نمونہ بن جائیں گے؟ اور کوئی غیر مسلم آپ کو یہ طعنہ دے کہ "یہ ہے وہ اسلام، جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو؟ —— جب تم بھی وہی کچھ کر رہے ہو، جو ہم کرتے ہیں، تو ہمارے مذہب میں تمہیں کون سی برائی نظر آئی ہے کہ ہم اسے چھوڑ کر تمہارا دین اختیار کر لیں؟" ماشاء اللہ کیا زرخیز تخیل پایا ہے ہمارے بزرگ پروفیسر صاحب نے، خدا نظرِ بد سے بچائے! —— لیکن ذرا قرآنِ مجید کی مذکورہ بالا آیت پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجئے کہ یہاں منشائے خداوندی، ایک مسلمان عورت کے عفاف و پاکدامنی کے علاوہ اس کی ایک امتیازی حیثیت بھی ہے کہ وہ برقع وغیرہ پہنے ہو گی، جبکہ غیر مسلم خواتین اس سے بے نیاز ہوں گی۔ اور باپردہ مسلمان خواتین کا یہی شریفانہ اور امتیازی رویہ تبلیغ اسلام کی کوششوں کے لیے ممد و معاون ثابت ہو گا، نہ کہ پروفیسر صاحب کی یہ "انقلابی تعلیمات"! —— جبھی غیر مسلم خواتین یہ سوچنے پر مجبور ہوں گی کہ تباہی اور ہلاکت کا جو عفریت اُن کی نسوانیت کو تقریباً نگل چکا ہے، اس سے اب بھی انہیں بچا لینے والا واحد دین، دینِ اسلام ہے، لہٰذا انہیں فوراً اس حصار میں پناہ لے لینی چاہیے!

پروفیسر صاحب، کچھ پتہ چلا آپ کو کہ تبلیغِ اسلام کے لیے کونسا رویہ مفید رہے گا؟ —— لیکن آپ تو شاید علام الغیوب، ربّ کائنات کو بھی پہیلیاں بجھوانے نکلے ہیں، ذرا اپنے ہوش میں رہیے!

الغرض قرآنِ مجید مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ جب وُہ کسی ضرورت کے تحت گھروں سے باہر نکلیں تو برقع وغیرہ اوڑھ لیں۔ جبکہ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ وہ یہ برقع اتار پھینکیں، ورنہ بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کی کوششیں متاثر ہوں گی ــــ اس کے باوجود نہ جانے کس احمق نے انہیں یہ بتلایا ہے کہ اس کا نام اجتہاد ہے، لہٰذا وُہ اس کے دروازے کھولنے کی اجازت حاصل کریں؟ تاکہ "وقت کے ساتھ ساتھ عورت کا ذہنی افق (جس قدر) پھیلتا چلا جائے، پروفیسر صاحب کا "صحیح اسلامی اور فلاحی معاشرہ" عورت کے اس فکری سفر میں اس کا پُورا پُورا ساتھ دے سکے"

ــــ چنانچہ پہلے عورت گھر کی چار دیواری سے نکلی، پھر برقعے اتارے، آہستہ آہستہ دفاتر تک رسائی حاصل کی، رفتہ رفتہ ریڈیو پر عاشقانہ گیت گانے لگی، پھر پردۂ سیمیں پر نمودار ہوئی۔ ازاں بعد بنفسِ نفیس سٹیج پر گائی، ناچی، تھرتھرائی۔ ڈراموں میں کبھی کسی کی بیوی، کبھی کسی کی معشوقہ، اور پھر اسی کی بہن اور اماں جان کا بھی پارٹ ادا کیا، کلبوں میں بن ٹھن کر وارد ہوئی اور پھر ہوائی جہاز پر سوار ہو کر اڑ گئی۔ پروفیسر صاحب بیچارے اس کے "ذہنی افق کے پھیلاؤ" کا ساتھ دینے کے لیے لندن، نیویارک اور پیرس روانہ ہوئے ــــ وہاں سے اپنے ہمراہ "صحیح اور اسلامی فلاحی معاشرہ" لے کر آئے اور اس طرح اندرونِ ملک کے علاوہ بیرونِ ملک بھی تبلیغِ اسلام کی کوششوں کو متاثر ہونے سے بچا لیا! ــــ اب ان کا اسلام ربڑ کی ناک ہے کہ جدھر چاہے موڑ لیا، لیکن طرفہ یہ کہ کتاب و سنت سے اس کا تعلق بہرحال قائم رہتا ہے! ــــ بایں ہمہ پروفیسر صاحب، ایک بات تو بتائیے! ــــ دینِ اسلام کیا دنیا میں اپنی منوانے کے لیے آیا تھا یا آپ کی ذلیل خواہشات کے ہاتھوں کھلونا بننے کے لیے؟ ــــ اپنے مضمون میں احکاماتِ الٰہی سے آپ کہاں کہاں نہیں ٹکرائے؟ ــــ آپ نے لکھا ہے کہ:

> "عصرِ حاضر میں اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی معاشرہ میں جلباب یا دوپٹے کے بغیر راہ چلتی عورت کو کوئی تنگ نہیں کرتا تو کیا وہاں بھی چادر اور دوپٹہ اوڑھنا ضروری ہو جائے گا؟ میں

تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ اکثر غیر ملکی مہذب معاشروں میں مسلمان عورتیں کسی محرم کے بغیر بلا خوف و خطر طویل سفر اختیار کر سکتی ہیں اور کوئی نامحرم ہم سفر اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔"

قطع نظر اس سے کہ غیر ملکی "مہذب" معاشرے تو در کنار، خود پاکستان میں کیسے کیسے سنگین فگار اور شرمناک حادثات آئے دن وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں، جن سے پروفیسر صاحب دیدہ و دانستہ آنکھیں بند کر کے انجان بننے کی کوشش کر رہے ہیں، ہم ان سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ آپ کو شریعت سازی کا حق کس نے دے دیا ہے؟ —— قرآن مجید میں چادر اور دوپٹہ وغیرہ اوڑھنے کا واضح حکم موجود ہے، پھر آپ کو یہ جرأت کیونکر ہوئی کہ آپ یہ بحث کریں، یہ ضروری ہے یا غیر ضروری؟ —— سچ بتائیے، کیا آپ مسلمان ہیں؟ —— قرآن مجید میں تو ہے:

"وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ"

کہ "جس نے "مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ" کے مطابق فیصلے نہ کیے، تو یہی لوگ کافر ہیں!"

آپ نے "بے رحمانہ فتووں" کا شکوہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"قربت و مصاحبتِ اقتدار کے نشے میں مخمور بعض نیم سیاسی اور نیم مذہبی مصلحین کی جرأتِ کفر سازی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ان کے دلوں سے خوفِ خدا ہی غائب ہو چکا ہے!"

—— لیکن آپ ہی بتائیے کہ آپ کو کیا نام دیا جائے؟ —— کتاب و سنت کے صریح احکام سے بغاوت کرنے کے بعد کیا آپ اسی قابل نہیں؟

محرم کے بغیر عورت کے سفر نہ کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیا ہے، آپؐ نے فرمایا:

"لَا تُسَافِرِ امْرَأَةٌ إِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ وَلَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ۔"

کہ "کوئی عورت، محرم کے علاوہ سفر نہ کرے اور نہ ہی کسی اجنبی

کے ساتھ علیحدہ ہو!"

نیز فرمایا:

"لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا کَانَ الشَّیْطَانُ ثَالِثُهُمَا۔"

"جب کوئی عورت کسی اجنبی کے ساتھ تنہا ہوتی ہے تو شیطان ان میں تیسرا ہوتا ہے۔"

اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

"لَا یَبِیْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ زَوْجًا اَوْ ذَا مَحْرَمٍ۔"

کہ "کوئی اجنبی آدمی کسی عورت کے پاس رات نہ گزارے سوائے خاوند اور ذی محرم کے!"

لیکن آپ نے ان سب ارشاداتِ رسول اللہ کو بالائے طاق رکھ کر جھٹ سے یہ فتویٰ داغ دیا ہے کہ "غیر ملکی مہذب معاشروں میں بھی مسلمان عورتیں کسی محرم کے بغیر بلا خوف وخطر طویل سفر اختیار کر سکتی ہیں اور کوئی نامحرم ہمسفر اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا!" —— جبکہ خود آپ کے اسلامی ملک پاکستان میں، اسی مینارِ پاکستان، جو اس ملک کی یادگار کے طور پر تعمیر ہوا ہے، سے وابستہ ایک شرمناک حادثہ ابھی حال ہی میں وقوع پذیر ہوا ہے۔ حالانکہ یہ عورتیں کسی طویل سفر پر روانہ نہیں ہوئی تھیں، بلکہ اپنے ہی شہر میں سیر کو نکلی تھیں۔ بس بجلی کی رَو منقطع ہوئی اور ..... پروفیسر صاحب! آپ ایسے ہی واقعات آئے دن اخبارات میں پڑھتے اور سنتے ہیں، لیکن خواہ مخواہ بن رہے ہیں! —— پھر محرم کے علاوہ عورت کے سفر کرنے پر آپ کو اصرار بھی ہے اور اس کے جواز میں آپ نے ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے حبشہ سے مدینہ تک اصحابِ رسول اللہ کی معیت میں لق ودق صحرا کے طویل سفر اختیار کرنے کا حوالہ دیا ہے —— کیا آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جس مجبوری کے تحت یہ سفر اختیار کیا گیا، اس میں اور پکنک منانے میں، مری کی سیر کو جانے، چھانگا مانگا کے جنگلات میں شوٹنگ کے لیے تشریف لے جانے میں

کس قدر فرق ہے؟ ــــ ذرا اس کے جواز میں بھی کوئی حوالہ عنایت فرمائیے، کیونکہ اسلامی احکام سے اِن بغاوتوں کے باوجود آپ مطمئن نہیں ہیں اور پاکستانی عورت کی "مظلومیت" پر آنسو بہا رہے ہیں! ــــ کیا آپ ہنگامی حالات کو ان عیاشیوں پر قیاس کریں گے؟ کیا مذکورہ بالا فرامینِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی سرورِ عالم کے فرامین نہیں جن کی زوجہ محترمہ مطہرہؓ نے یہ سفر اختیار کیا تھا؟۔ کیا آپؐ کو یہ معلوم نہ تھا کہ میں اس کے یکسر خلاف حکم دے چکا ہوں، لہٰذا کم از کم اپنے بارے میں تو محتاط رہنا چاہیے، مبادا، ذاتِ رسالت ہی نہیں، شانِ رسالت پر بھی کوئی حرف آئے! ــــ ظاہر ہے کہ یہ ایک انتہائی مجبوری تھی، جس کی تفصیلات خود آپ کے بیان کردہ واقعہ سے ملتی ہیں!۔ پس اس واقعہ اور مذکورہ بالا فرامینِ رسولؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیش نظر رکھتے ہوئے، شریعت میں اس گنجائش کی نشاندہی ہوتی ہے کہ تمام تر پُرامن حالات کے باوجود بھی ایسے ہنگامی اور غیر یقینی حالات کا پیش آجانا محال نہیں، لہٰذا ان کے سلسلہ میں اپنے دل پر کوئی انقباض محسوس نہ کیا جائے ــــ چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو بھی ایسے ہی اچانک اور غیر یقینی حالات میں ایک سفر کرنا پڑا، تاہم تاریخِ نبوت میں ایسے واقعات بس خال خال ہیں، جن کو عام حالات پر محمول کرنے والا کوئی پرلے درجے کا جاہل اور بیوقوف ہی ہو سکتا ہے کہ ان کو دلیل بنا کر اس کے عمومی جواز کے سامان فراہم کرلے۔ اور عورت کو "مسافر نوازی" کی باقاعدہ تربیت دے کر ہوائی جہاز پر سوار کردے! ــــ پھر یہ بھی یاد رکھیے کہ انبیاءؑ معصوم ہوتے ہیں، ان کی عصمت کی حفاظت خود اللہ رب العزت کرتے ہیں، "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" بھی آپؐ ہی کی صفت ہے، جبھی ہمیں "وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" کی سند عطا ہوئی۔ شریعت کے نازل کرنے والے بھی اللہ رب العزت، علام الغیوب ہیں، اس کے باوجود اگر کچھ حالات ہمیں ایسے ملتے ہیں جو باہم اور بظاہر متعارض ہیں، تو اس کی وجہ اور حکمت ہم نے بیان کردی ہے ــــ ورنہ کیا آپ شریعت کو متضاد خیالات کا

ایک مجموعہ تصوّر کرتے ہیں جیسے کہ خود آپ تضاد خیالی کے مالک ہیں؟

—— چنانچہ ملاحظہ ہو، آپ نے لکھا ہے کہ:

۶۔ اوّلین بات تو یہ طے کرنے والی ہے کہ موجودہ زمانے کے کسی کھیل میں شرکت کرنے سے قرآن، حدیث، صحابہؓ یا فقہاء میں سے کسی نے انہیں منع کیا ہے؟ اگر نہیں تو پھر اس مسئلے کو زبردستی قرآن وسنّت سے منسلک کرنا بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ سراسر اختیاری ہے اور ہم نے اسے قومی اور بین الاقوامی تمدنی وتہذیبی اقدار کے مطابق خود حل کرنا ہے!"

یوں معلوم ہوتا ہے، گویا پروفیسر صاحب نے اب تک جو کچھ لکھا ہے، قرآن وسنّت کے مطابق ہی لکھا ہے۔ اور اس سے انہوں نے سرِمُو انحراف نہیں کیا۔ جبھی یہاں آکر وہ بیچارے قرآن و سنّت کے اس قدر پابند ہو گئے ہیں، خیر چھوڑیئے اس بات کو، ہم پروفیسر صاحب کی تضاد خیالی کا ذکر کر رہے تھے۔ لہٰذا کھیلوں کے اس مسئلہ کو ہم قرآن وسنّت کی بجائے انہی کی اپنی تحریرات سے حل کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"اسلام میں اعضاء کی نمائش کرنا اور دوسروں کو دعوتِ نظارہ دینا منع ہے!"

نیز ارشاد ہوتا ہے:

"قرآن میں واضح حکم آنکھوں کے بارے میں آیا ہے کہ وہ انہیں شرم و حیا سے عاری نہ ہونے دیں۔"

—— اب صورتِ حال کچھ یُوں بنتی ہے کہ کھلاڑی خواتین اپنے اعضاء تو گھر میں چھوڑ جائیں گی تاکہ ان کی نمائش نہ ہونے پائے۔ اور خود وہ بیرونِ ملک کھیلنے کے لیے روانہ ہو جائیں گی۔ کیونکہ ان کو پروفیسر صاحب کے بقول "پورے ملک اور قوم کے وقار کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے" —— اُدھر جہاں تک تماشائیوں کا تعلق ہے، تو ان کو اس تماشا گاہ میں آنے کی اجازت تو ہے، لیکن کھلاڑی خواتین انہیں اپنی طرف دیکھنے سے منع کر دیں گی کیونکہ "دوسروں کو دعوتِ نظارہ دینا منع ہے!" —— پھر چونکہ "قرآن میں واضح حکم آنکھوں کے بارے میں آیا ہے

کہ وہ انہیں شرم و حیاء سے عاری نہ ہونے دیں"۔ (یہ حکم مرد و عورت دونوں کے لیے برابر ہے) لہٰذا کھیل دیکھنے سے قبل وہ اپنی آنکھیں پھوڑ لیں گے، اور اس کے بعد کھیل دیکھنا شروع کر دیں گے!

——یوں بغیر اعضاء کے، بغیر ان کی نمائش کے، بغیر دعوتِ نظارہ دیے اور تماشائیوں کی پھوٹی آنکھوں کے باوجود کھیل بہر حال جاری ہے! اور پروفیسر صاحب خوشی سے پھولے نہیں سماتے کہ "قرآن، حدیث، صحابہ یا فقہاء میں سے کسی نے انہیں (یہ کھیل کھیلنے سے) منع نہیں کیا!"——واہ پروفیسر صاحب آپ ایسا دانشور کسی قوم کو مشکل ہی سے نصیب ہوگا اور یہ سوغات ہمارے ہی مقدر میں لکھی تھی——علماء بچارے تو اب تک جھک ہی مارتے رہے" لیکن آپ نے اسلام کی ڈانواں ڈول کشتی کو کنارے لگا دیا!

——پروفیسر صاحب، اگر آپ کے حواس قائم ہیں تو ہم آپ کو توجہ دلائیں گے کہ جب "اسلام میں اعضاء کی نمائش کرنا اور دوسروں کو دعوتِ نظارہ دینا منع ہے"۔ علاوہ ازیں "جب قرآن میں واضح حکم آنکھوں کے بارے میں آیا ہے کہ وہ انہیں شرم و حیاء سے عاری نہ ہونے دیں"۔ تو پھر کیا کھلاڑی خواتین کا مسئلہ خود آپ کی تحریروں کی بناء پر ہی قرآن و سنت سے منسلک ہو گیا یا نہیں؟——کیا قرآن و سنت سے اس کی کچھ بھی گنجائش نکلی؟ اگر نکلتی ہے تو ایسا ہی مذکورہ بالا کھیل ضرور کھیلیں، آپ کو کوئی منع نہیں کرے گا!——لیکن اگر نہیں نکلتی تو پھر یہ مسئلہ "سراسر اختیاری" کیسے ہو گیا؟——رہا آپ کا یہ فرمانا کہ "ہم نے اس مسئلہ کو قومی اور بین الاقوامی تمدنی و تہذیبی اقدار کے مطابق خود حل کرنا ہے" تو ایسا دین آپ ہی کو مبارک ہو کہ جسے آپ کے قومی، بین الاقوامی اور تمدنی و تہذیبی مسائل و اقدار سے کوئی دلچسپی ہی نہیں، ہم بھر پائے ایسے دین سے!——ہاں ہمیں، تو وہ دین عزیز ہے جو کسی بھی پہلو سے ہمیں تشنہ نہیں رہنے دیتا، جو اس زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہونے کے علاوہ روزِ آخرت بھی ہمارے کام آئے گا——جو اللہ تعالیٰ، احکم الحاکمین نے ہمارے لیے مقرر فرمایا اور جو سرورِ عالم، فخرِ انسانیت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں

ملا ہے —— جس کی انقلابی، دائمی اور غیر متبدل تعلیمات کو غیر مسلموں نے بھی خراجِ تحسین پیش کیا، لیکن آپ کو اس کی ضرورت نہیں! —— ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ - لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ - وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ - وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ - وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ - لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ!"

(جاری ہے)

شعر و ادب

مولانا عبدالرحمٰن عاجزؔ مالیرکوٹلوی

بے حجابی سے شرافت کا گلا کٹتا ہے!

بنتِ ملت کو نہ بے پردہ پھرائے کوئی
دینِ اسلام پہ چرکا نہ لگائے کوئی

خود جو پھرتی ہو نقاب اپنا اٹھائے کوئی
اس کو فتنوں سے بھلا کیسے بچائے کوئی

لاتبرجن سے واضح ہے مقامِ پردہ
رسمِ فرسودہ نہ پردے کو بتائے کوئی

سامنے معنیٔ عورت ہوں اگر عورت کے
غیر محرم کے نہ پھر سامنے آئے کوئی!

بے حجابی سے شرافت کا گلا کٹتا ہے،
بے حجابی کو گلے سے نہ لگائے کوئی

چار دیواری و چادر میں ہے عورت کا وقار
کبھی صورت نہ وقار اپنا گنوائے کوئی

خود نمائی پہ رہیں لاکھ بضد مستورات
لفظِ مستور کا مفہوم بتائے کوئی

عزتِ زن کی ضمانت ہے یہ پردہ لاریب
کبھی پردے کا تمسخر نہ اڑائے کوئی

صاف آجائے گا پھر سامنے عورت کا مقام
حکمِ قرآں جو سنے اور سنائے کوئی

ہے ہر اک کے لیے اک حدِ شریعت عاجزؔ
اس سے آگے نہ قدم اپنا بڑھائے کوئی!